اُردو (لازمی)	انٹر (پارٹ-II)	پرچہ II: (انشائی طرز)
وقت: 2.40 گھنٹے	2020ء (دوسرا گروپ)	کل نمبر: 80

(حصہ اوّل)

سوال 2-(الف) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,1,8)

کلرکوں سے آگے بھی افسر ہیں کتنے — جو بے انتہا صاحبِ غور بھی ہیں
ابھی چند میزوں سے گزری ہے فائل — "مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"

جواب: حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: قطعات — شاعر کا نام: انور مسعود

تشریح:

یہ جناب انور مسعود کا شاملِ نصاب چوتھا قطعہ ہے، جس میں ہمارے دفتری نظام کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ہمارے دفتری نظام کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہاں زر پسند اور شر پسند لوگوں کا قبضہ ہے، جو رشوت کو شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ انھوں نے دل کی تسلی کے لیے اس حرام چیز کو تحفہ، نذرانہ اور چائے پانی کا نام دے رکھا ہے۔ حدیث میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں، لیکن اس ارشادِ پاک کو نہ صرف پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے، بلکہ دفتروں میں اس کا واضح طور پر مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ رشوت اب ہمارے دفتری عملے کی گھٹی میں پڑ چکی ہے۔ انھوں نے جائز کام کے راستے میں روڑے اٹکانے کے متعدد طریقے سوچ رکھے ہیں۔

ہمارے شاعر اسی دفتری عملے کی بدنیتی اور ہڈحرامی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ رہے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ دفتر کے کلرکوں سے نمٹنا ہی آسان نہیں۔ اس پہ مستزاد یہ کہ وہاں کے افسروں کے مزاج اور انداز بھی کلرکوں سے مختلف نہیں ہیں، جو کسی جائز فائل یا کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اس پہ کئی انداز سے سوچیں گے، کیونکہ خیر سے وہ صاحبِ غور واقع ہوئے ہیں۔ شاعر اسی نظام کی مزید خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے کہ رہا ہے کہ ہمارے ہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ عملے کے کسی رکن کو خوش کر کے کام نکلوا لیا جائے، بلکہ اس میں اپنی فائل کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے، فائل جوں جوں کلرکوں سے افسروں کی میز کی جانب سفر کرتی ہے، سائل کو ہر مقام کی نزاکتوں اور ضرورتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس قطعے میں

شاعرِ مشرق کے شعر کی تضمین کی گئی ہے:

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

جناب انور مسعود نے اس قطعے میں اسے نہایت مہارت اور چابک دستی کے ساتھ استعمال کر کے اس مفہوم کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔ ایک کامیاب مزاح نگار کا یہی کمال ہوتا ہے۔ یہ شعر ہمارے دفتری نظام پر گہرا طنز ہے۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,3,3,3)

حیاتِ چند روزہ بھی حیاتِ جاوداں نکلی — جو کام آئی جہاں کے وہ متاعِ عارضی کب تھی

یہ دنیا کوئی پلٹا لینے ہی والی ہے اب شاید — حیاتِ بے سکوں کے سر میں یہ شوریدگی کب تھی

مرے نغموں نے اے دنیائے غم چمکا دیا تجھ کو — ترے ظلمت کدے میں زندگی کی روشنی کب تھی

جواب: شاعر کا نام: فراق گورکھپوری

شعر نمبر-1

تشریح:

یہ تو طے ہے کہ انسانی زندگی ایک نہ ایک روز ختم ہو جانے والی ہے۔ اگر اس پہ طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ بہت ہی مختصر لگنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر حضرات نے تو اسے حیاتِ چند روزہ کہا ہے۔ ہمارے شاعر کو بھی یہ احساس ہے کہ اس کی یہ زندگی چند روزہ ہے، لیکن شاعر نے اپنے سلیقے اور حکمت سے اس عارضی زندگی کو ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بدل لیا ہے۔ انھوں نے اپنی یہ حیاتِ مستعار لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔ اب جو چیز انسانی خدمت پر صرف ہو جائے، جس کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لیے خرچ کر دیا جائے، جو زمانے میں محبتیں بانٹنے اور درد کی دولت تقسیم کرنے کے کام آ جائے، اسے بھلا کس زوال کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ وہ تو تا قیامت باقی رہتی ہے۔

شعر نمبر-2

تشریح:

اہلِ دانش کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ کائنات میں ظاہر ہونے والے بعض آثار و شواہد سے آنے والے حالات کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر فضا میں حبس کی کیفیت زیادہ ہو گئی ہے تو یہ کسی آندھی طوفان کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ اندھیرا بہت بڑھ جائے تو دن نکلنے کا امکان ہوتا ہے۔ ظلم و ستم حد

سے بڑھ جائے تو انقلاب آیا کرتے ہیں۔

فراق گورکھپوری بھی اپنے اردگرد کی دنیا میں پھیلی ہوئی بے چینی' بے سکونی اور ابتری سے یہی اندازہ لگا رہے ہیں کہ اب لگتا ہے کہ اس دنیا کے حالات تبدیل ہونے والے ہیں۔ یہاں کوئی انقلاب آنے والا ہے' کیونکہ اس دنیا میں بے چینی اور بے سکونی تو پہلے بھی تھی' لیکن اس میں اتنی شدت اور انتہا پسندی نہیں تھی۔ شاعر کے خیال میں یہ شدت اور انتہا پسندی کسی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اور معاشرے کے حالات بالکل اور رخ اختیار کرلیں گے۔ اس میں شاعر ہمیں یہ درس بھی دے رہے ہیں کہ حالات کی سنگینی سے گھبرانا نہیں چاہیے' یہ کسی نہ کسی انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

شعر نمبر-3

تشریح:

اس عارضی دنیا کے بارے میں صوفیا اور اہلِ بصیرت کا یہی خیال رہا ہے کہ یہ دنیا دکھوں اور مصیبتوں کا گھر ہے' دارالمحن ہے اور جب تک انسان زندہ رہے گا' اسے ان دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان دکھوں کا سب سے بڑا علاج یہی ہے کہ ان سے دور بھاگنے کی بجائے انھیں تسلیم کرلیا جائے' گلے سے لگالیا جائے۔

فراق گورکھپوری کے ہاں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت دکھائی دیتی ہے کہ انھوں نے نہ صرف زمانے کے غموں سے سمجھوتا کرلیا ہے' بلکہ اس غمناک دنیا کی مدح میں اتنی قصیدہ خوانی کی ہے کہ لوگوں کو مسرتیں بانٹنے کے لیے شعر اور گیت لکھے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ دنیا رہنے کے قابل ہوگئی ہے۔ شاعر اس دکھوں بھری دنیا کو اپنے احسان جتاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ مصیبتوں سے بھری یہ دنیا رہنے کے ہرگز قابل نہ تھی۔ ہماری شاعری نے اسے رہنے کے قابل بنا دیا ہے۔ اب لوگوں کو اس پر پیار آنے لگا ہے۔

(حصہ دوم)

سوال:3- سیاق وسباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (1,1,3,10)

(الف) غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے جمن کے ساتھ ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جزو وکل اس سے کہہ دیا اور جمن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کرلیا۔ ایک پہر کامل جمن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی کہ اچھی بی جمن' اب کب آؤ گی؟ جمن نے کہا: ''میری بھانجی موم گروں کے چھتے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے۔ اسی کے علاج کے

واسطے میں آگرے سے آئی ہوں۔ اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے، مگر انشاء اللہ دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گی۔"

جواب: جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2018ء (دوسرا گروپ) سوال نمبر 3 (الف)۔

(ب) بولے مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساری عمر ڈنمارک میں گزار کر السی نور آج تک نہیں دیکھا۔ ہم نے یہ کہ کر ان کی ڈھارس بندھائی کہ ہم نے بھی کراچی میں آدھی عمر گزار دی ہے لیکن منگھو پیر نہیں گئے۔ زیادہ تفصیل میں ہم نہیں گئے تاکہ ہمارا منگھو پیر ان کے السی نور کے مقابلے میں کچا نہ پڑ جائے۔ یہ ڈاکٹر گلبرگ تھے۔ ڈاکٹر گلبرگ دوادارو والے ڈاکٹر ہیں لیکن نسخوں کے علاوہ کتابیں بھی لکھتے ہیں اور یہی ہماری ان سے دوستی کی وجہ ہوئی۔

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے۔ مصنف کا نام: ابنِ انشا

سیاق و سباق:

یہ پیراگراف سلیبس میں شامل سبق "ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے" سے لیا گیا ہے، جو ابنِ انشا کی تحریر ہے۔ اس سفر نامے کو کسی خاص علاقے یا مقام کے ساتھ اس لیے منسوب نہیں کر سکتے کہ موسم کی خرابی کی بنا پر افغانستان کے شہر کابل میں لینڈ کرنے والا طیارہ واپس پشاور آ کر اترتا ہے۔ مصنف کو پشاور ہوائی اڈے پر ڈنمارک کے ڈاکٹر گلبرگ ملے، جن کا تلفظ فرانسیسی تھا۔ ان دنوں وہ مشرقی ممالک کے دورے پر تھے اور بھارت کے فرقہ وارانہ تعصبات و فسادات سے خوف زدہ ہو کر کابل کے لیے عازمِ سفر تھے۔ اس پیراگراف میں مصنف ابنِ انشا اور ڈاکٹر گلبرگ کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کچھ حصہ پیش کیا گیا ہے۔

تشریح:

ڈاکٹر گلبرگ نے کہا مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں نے ساری زندگی ڈنمارک میں گزاری، مگر ڈنمارک کا قلعہ السی نور آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے یہ کہ کر ان کو تسلی دی کہ ہم نے بھی آدھی زندگی کراچی میں گزار دی ہے، مگر کراچی کی بستی منگھو پیر نہیں دیکھی۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے منگھو پیر کی زیادہ تفصیل اس لیے بیان نہیں کی کہ کہیں ہمارا منگھو پیر ان کے قلعہ السی نور سے کمتر ثابت نہ ہو اور شرمندگی کا باعث نہ بنے۔ ڈاکٹر گلبرگ ویسے دوائیاں تجویز کرنے والے ڈاکٹر ہیں، مگر کتابیں بھی تحریر کرتے ہیں۔

کتابوں کا مصنف ہونے کی وجہ سے ہماری ان سے دوستی ہوئی' کیونکہ ہمارا تعلق بھی لکھنے پڑھنے سے ہے۔

سوال :4- درجِ ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے: (1,9)

(الف) پہلی فتح (ب) ایوب عباسی

جواب :

(الف) پہلی فتح

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (ب)۔

(ب) ایوب عباسی

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2019ء (پہلا گروپ)' سوال نمبر 4 (ب)۔

سوال :5- مجید امجد کی نظم ''ایک کوہستانی سفر کے دوران میں'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب : جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 5۔

سوال :6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) ماحولیاتی آلودگی (ب) تعمیرِ وطن میں خواتین کا کردار

(ج) منشیات اور اس کی روک تھام

جواب :

(الف) ماحولیاتی آلودگی

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 6 (ب)۔

(ب) تعمیرِ وطن میں خواتین کا کردار

آج سے کچھ عرصہ پہلے شاید یہ بات کچھ مضحکہ خیز معلوم ہوتی کہ عورتیں بھی ملکی تعمیر و ترقی میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ اس زمانے میں عورت قدیم روایات و قیود میں کچھ اس طرح جکڑی ہوئی تھی کہ اس کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں' اور یہ احساس کہ وہ کچھ نہیں کر سکتی اور اس کا کام محض گھر داری ہے' اس کے تمام اوصاف کو زنگ آلود کر رہا تھا۔ مرد اسے ناقص العقل تصور کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ قدرتی طور پر ذہانت میں مردوں سے کمتر ہے۔ مرد عورت کا ایک حد تک احترام ضرور کرتے' مگر صرف ماں' بیٹی یا بہن کے روپ میں۔ وہ عملی طور پر زندگی کی گہما گہمی میں حصہ لے' یہ ان کو گوارا نہ تھا۔

انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عورت کسی طرح بھی ذہانت یا شعور میں مردوں

سے کمتر نہیں۔ البتہ اس کو اپنی صلاحیتوں سے کام لینے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا؛ لیکن جب بھی عورتوں کو مواقع میسر آئے' انھوں نے ثابت کر دیا کہ زندگی کے ہر میدان میں مردوں ہی کی طرح اہم کام سر انجام دے سکتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ 'حضرت خدیجہؓ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ چاند بی بی' رضیہ سلطانہ کو قوم کیسے فراموش کر سکتی ہے۔ جنھوں نے ثابت کر دیا کہ عورت بہترین حکمران ثابت ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم خواتین میں مادام کیوری کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جھانسی کی رانی کا سرفروشانہ جذبہ آج بھی تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ گزشتہ صدی کے اواخر اور اس صدی کے آغاز کی عظیم خاتون عطیہ فیضی کے وہ بصیرت افروز لیکچر ہمیشہ یاد رہیں گے' جو انھوں نے غیر ممالک میں جا کر دیے اور جن کی دانش اور شعور کے مداح شبلی نعمانی اور اقبال جیسی ہستیاں ہیں۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں حصہ لینے والی خواتین میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی والدہ محترمہ کو کون بھول سکتا ہے' جن کی ولولہ انگیز تقریروں نے قوم کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

مگر یہ مثالیں خال خال نظر آتی ہیں۔ وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عورت کو مواقع میسر نہیں تھے کہ ملکی کاموں میں حصہ لے۔ پاکستان بننے کے بعد قوم کو اس بات کا احساس ہوا کہ اس کی نصف آبادی تو بالکل عضوِ معطل اور بے کار ہے۔ چنانچہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دی جانے لگی۔ تعلیم یافتہ خواتین نے عملی اقدام کیا اور مختلف تحریکوں سے پاکستانی خواتین میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اپوا (All-Pakistan Women Association) ان تحریکات میں پیش پیش ہے۔ یہ تحریک بہت کامیاب رہی اور آج اپوا کی شاخیں ملک کے گوشے گوشے اور بڑے بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ اس انجمن کا قیام پاکستانی خواتین کے مسائل حل کرنا اور ان کی حالت بہتر بنانا ہے۔ چنانچہ کئی سکول' کالج اور صنعتی ادارے اسی انجمن کے تحت کام کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہلالِ احمر دوسری بڑی تحریک ہے۔ یہ تحریک عالمگیر حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مقصد دُکھی انسانیت کو آسائشیں مہیا کرنا اور ان کی تکالیف دُور کرنا ہے۔ اس تحریک میں مرد اور عورتیں یکساں شریک ہوتے ہیں' مگر جہاں تک اس کے عملی پہلو کا تعلق ہے تو عورتیں اس کی زیادہ مستعد اور سرگرم کارکن ہیں۔ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں جس طرح ہلال احمر اور اپوا کی کارکنوں نے کام کیا' وہ ان کی کارکردگی کی بہترین مثال ہے۔ ہنگامی حالات میں خاص طور پر خواتین کا رجحان فوجی تربیت' ٹریننگ اور شہری دفاع کی طرف ہو گیا اور آج تک اس شوق کی شدت میں کمی نہیں آئی۔ مختلف اداروں میں اب بھی ایسی تربیت دی جا رہی ہے۔ تاکہ بوقتِ ضرورت خواتین اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ قوم و ملک کی خدمت بھی کر سکیں۔ اس کے علاوہ ٹی بی ایسوسی ایشن اور خاندانی منصوبہ بندی میں بھی عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

یہ تو تھی خواتین کی اجتماعی کاوشیں کہ وہ کس طرح مختلف تنظیموں کے تحت عمدگی سے اپنے فرائض نبھاتی ہیں، مگر جہاں تک ان کے انفرادی حالات کا تعلق ہے وہ آج اس وقت سے بدر جہا بہتر ہیں۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا، اس وقت بہت کم لوگ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلانے پر مائل نظر آتے تھے کیونکہ ان کی نظر میں عورت کے فرائض محض گھر تک محدود تھے اور اس کے لیے وہ معمولی سی تعلیم کو کافی تصور کرتے تھے۔ عورت کی ملازمت ان کے نزدیک توہین کے مترادف تھی۔ آزادی کے بعد قوم کو احساسِ زیاں ہوا۔ چنانچہ عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ حکومت نے الگ تعلیمی اداروں کا بھی بندوبست کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی مسلمان جس میں تعلیم یافتہ خواتین خال خال نظر آتی تھیں، آج زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر زندگی کے ہر شعبے میں نظر آنے لگیں۔ ڈاکٹری اور نرسنگ کے علاوہ بہت سی خواتین تعلیمی اداروں سے وابستہ ہیں اور نونہالانِ وطن کی آبیاری کر کے ان کو وطن کی خدمت کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ اسی طرح مختلف دفاتر میں خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں اور اپنی محنت اور کارکردگی سے ثابت کر رہی ہیں کہ وہ کسی طرح مردوں سے کم نہیں۔ بینکاری میں عورتیں اس درجہ بہترین منتظم ثابت ہوئی ہیں کہ اب بینکوں کی الگ شاخیں خواتین کے لیے کھولی گئی ہیں۔ عدالتوں میں بھی خواتین نظر آتی ہیں۔ خواتین وکیل بھی ہیں، بیرسٹر اور مجسٹریٹ بھی، اور یہاں بھی وہ اپنی ذہانت کا سکہ بٹھا چکی ہیں۔ صحافت کے میدان میں بھی عورتیں مردوں سے کم نہیں۔ اس طرح وہ ملک اور قوم کی خدمت میں شب و روز مگن ہیں۔ آج ملک کے کئی بڑے بڑے اخبار اور رسالے خواتین کی زیرِ نگرانی چل رہے ہیں۔ پاکستان کی مشہور ہوائی سروس پی آئی اے میں میزبانی کے فرائض بھی خواتین ادا کرتی ہیں۔ سیاست میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ یونین کونسلوں کی ممبری سے لے کر قومی اسمبلی تک عورتیں نامزد و منتخب ہوتی ہیں۔

اس سال 2008ء میں خواتین پاکستان ایئر فورس میں بطور پائلٹ بھی شامل ہوئی ہیں۔ ان تمام اُمور کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ مردوں کا، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عورتوں کے فرائض مردوں کے فرائض سے مشکل تر ہیں۔ مردوں کو تو فقط گھر سے باہر کے فرائض نبھانا ہوتے ہیں جب کہ آج کل تعلیم یافتہ عورتیں معاشی طور پر خاوند کی مددگار ہونے کے ساتھ ساتھ خاوند کے آرام کا خیال، گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش ایسے فرائض سے بھی عہدہ برآ ہوتی ہیں۔ اس کا ان کو مکمل احساس ہوتا ہے کہ ان کے بچے قوم کی امانت ہیں، جن کی بہتر طور پر نگہداشت کرنا اور ان کو مستقبل کا بہترین شہری بنانا ان کا اولین فرض ہے۔ اس طرح گویا عورتیں صحتمند معاشرے کی بانی کہلانے کی مستحق ہیں۔

(ج) منشیات اور اس کی روک تھام

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2020ء (پہلا گروپ)، سوال نمبر 6 (الف)۔

سوال :7- اخبار کے مدیر کے نام بڑھتی ہوئی مہنگائی کے حوالے سے خط لکھیے۔ (10)

جواب : کمرۂ امتحان

15 نومبر 2020ء

مدیر گرامی!

السلام علیکم!

میں آپ کے مؤقر جریدے کی وساطت سے آپ کی توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف مبذول کرانے کی جسارت کر رہا ہوں، جو کسی ایک گروہ یا کسی ایک گاؤں یا شہر کا مسئلہ نہیں، بلکہ پوری قوم، پورے ملک کا مسئلہ ہے۔

ہمارے ملک کی اکثر آبادی غریب ہے، جن کا آج کے زمانے میں بنیادی مسئلہ مہنگائی ہے، جو انھیں چکی کی طرح پیس رہی ہے۔ آج ہر انسان کا اہم مقصد بنیادی انسانی ضرورتوں کا حصول ہے۔ اسے جسم و جاں کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے خوراک، تن ڈھانپنے کو کپڑا اور موسموں کی تندی و تیزی سے بچنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس حوالے سے ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو مہنگائی کی وجوہ اور اثرات کا تقریباً وہی نقشہ نظر آتا ہے، جو صدیوں پہلے غیر مہذب دور میں تھا۔ ہماری عوام خون پسینہ ایک کر کے اور جان توڑ محنت کرنے کے باوجود بہت کم بنیادی ضرورتیں حاصل کر پائی ہے۔

ہمیں مہنگائی سے بچنے کے لیے متحد ہو کر جدوجہد کرنی چاہیے، کیونکہ مہنگائی ایک لعنت ہے۔ یہ سماج میں بہت سی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ رشوت عام ہو جاتی ہے اور دیانت داری، میرٹ، محنت اور رواداری جیسی صفات معاشرے سے عنقا ہو جاتی ہیں۔ ایک عام سرکاری اہل کار مہنگائی کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب ایک دفعہ رشوت لے کر اخلاقی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر معاشرے میں یہ زہر پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔ مہنگائی کا گراف جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے، جرائم کا گراف اس سے بھی اوپر چلا جاتا ہے۔ اس طرح مہنگائی کے نتائج ایک فرد سے لے کر ایک معاشرے تک سب کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

مہنگائی کا مسئلہ بڑی طاقتوں کا پیدا کردہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے لٹیرے شامل ہیں۔ اگر کوئی مخلص حکمران خلوصِ نیت سے اپنے عوام کی حالت بدلنا چاہے تو مصنوعی مہنگائی پیدا کر کے حکمرانوں کے خلاف احتجاج کی لہر پیدا کی جاتی ہے، بے چینی بڑھتی ہے، جلسے جلوس، احتجاج اور پھر مہنگائی کا گراف مزید بڑھتا چلا جاتا ہے۔

مہنگائی سے بچنے کا مؤثر حل یہ ہے کہ ہم سادگی اپنائیں، فیشن پرستی سے اجتناب کریں اور ان تمام سماجی برائیوں سے بچیں، جو ہوس، لالچ اور دولت کی شدید خواہش کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔ محنت اور جدوجہد کے ذریعے ہم مہنگائی پر کافی حد تک قابو پا سکتے ہیں۔

والسلام

آپ کا مخلص

ا۔ب۔ج